درس ۱۸

نبیّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی طریقِ کار

یا

انقلابِ نبویؐ کا اساسی منہاج

سورۃ الجمعہ کی روشنی میں

(۱)

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

سورۃ الجمعہ کے مضامین پر غور و فکر کے ضمن میں بھی ہم وہی طریق کار اختیار کریں گے جو سورۃ الصّف کے ذیل میں اختیار کیا گیا تھا کہ پہلے سورت کی مرکزی آیت کو کماحقّہٗ سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اس کے بعد ایک ایک آیت کو غور و فکر کا موضوع بنایا جائے۔ بالخصوص ہر آیت کا جو ربط و تعلق اس مرکزی آیت کے ساتھ بنتا ہے اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ کے مضامین کا باہمی ربط

یہ بات اس سے پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ سورۃ الصّف اور سورۃ الجمعہ میں جوڑے جوڑے ہونے کی وہ نسبت جو قرآن مجید کی اکثر سورتوں میں موجود ہے' بہت ہی نمایاں ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں بلند پایہ سورتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دو پہلوؤں سے بحث کرتی ہیں۔ چنانچہ سورۃ الصّف کا مرکزی مضمون تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت' جبکہ سورۃ الجمعہ کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اس مقصدِ بعثت کے حصول اور اس عظیم مشن

کی تکمیل کے لئے آپؐ کا بنیادی طریق کار کون سا تھا! ـــــ یہاں لفظ "بنیادی" خاص طور پر قابلِ توجّہ ہے اور اسے سمجھنے کے لئے ہمیں قدرے تفصیل میں جانا ہو گا۔

اگرچہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اگر ہم عام مروّجہ معنوں میں نبی اکرم ﷺ کو ایک انقلابی رہنما کہیں تو یہ یقیناً آپؐ کی توہین کے مترادف ہو گا' لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ داعیٔ انقلاب کا اطلاق نسل انسانی کے کسی فرد پر اگر بتمام و کمال ہو سکتا ہے تو وہ صرف محمدؐ رسول اللہ ﷺ ہیں!! اس لئے کہ تاریخ انسانی کا ہمہ گیر ترین اور گھمبیر ترین انقلاب برپا کرنے کا سہرا بلاشبہ آپؐ ہی کے سر ہے۔

تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب

غور کرنے پر معلوم ہو گا کہ تاریخ کے دو بڑے بڑے انقلاب جن کا بہت شہرہ ہے' محض جزدی انقلابات تھے۔ انقلابِ فرانس ہو یا انقلابِ روس' ان دونوں نے زندگی کے رخ میں کوئی ہمہ گیر تبدیلی برپا نہیں کی۔ انقلابِ فرانس میں لوگوں کے افکار اور عقائد نہیں بدلے' ان کا طرزِ معاشرت تبدیل نہیں ہوا' صرف نظامِ حکومت کا ڈھانچہ تبدیل ہوا۔ یعنی شخصی حکومت کا دَور ختم ہوا اور جمہوریت کا آغاز ہو گیا۔ اسی طرح انقلابِ روس (Bolshevik Revolution) اگرچہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا' بلکہ اگر اسے انقلابوں کی ماں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ اس کی کوکھ سے انقلابوں کی ایک پوری کھیپ برآمد ہوئی ہے' بایں ہمہ تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس کے ذریعے بھی ایک جزوی تبدیلی ہی آ سکی' یعنی محض نظامِ معیشت کا ڈھانچہ تبدیل ہوا۔ اور ویسے تو کہا جا سکتا ہے کہ ایک بڑا انقلابی فکر یعنی جدلی مادیت (Dialectical Materialism) اس انقلاب کی پشت پر تھا لیکن بنظرِ غائر دیکھا جائے تو مادیت پہلے سے موجود تھی' اس نے صرف ایک قدم آگے بڑھایا اور جدلی مادیت کی شکل اختیار کر لی' اسے آپ "مادیت" سے "جدلی مادیت" تک ایک ارتقائی عمل تو کہہ سکتے ہیں' انقلابی عمل نہیں کہہ سکتے۔ گویا کہ وہاں بھی اصل تبدیلی زندگی کے محض ایک گوشے یعنی نظامِ معیشت میں واقع ہوئی کہ کوشش کی گئی کہ ذرائع پیداوار کو اجتماعی ملکیت میں لے کر حصّہ رسدی تمام افراد تک کسی قدر منصفانہ

انداز میں پہنچادیا جائے۔ اس سے قطع نظر کہ معاشی ڈھانچے میں اس تبدیلی کے ضمن میں انسان کو کیا قیمت ادا کرنی پڑی اور اس کا کیا ردِ عمل سامنے آرہا ہے' فی الوقت صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ دنیا کے یہ تمام انقلابات جزوی تھے' جبکہ نبی اکرم ﷺ کا لایا ہوا انقلاب ہمہ گیر تھا۔ اس انقلاب میں لوگوں کے عقائد بدلے' افکار بدلے' نظریات بدلے' زندگی کی قدریں بدلیں' نقطۂ نظر تبدیل ہو گیا' سوچ کا رُخ بدل گیا' طرزِ بود و باش بدل گئی' معیشت کا انداز بدل گیا' سیاست کے طور اطوار بدل گئے' یوں کہئے کہ زمین بدل گئی' آسمان بدل گیا۔ بلکہ یہاں یہ تلاش کرنا پڑتا ہے کہ کیا چیز نہیں بدلی! ـــــ اس پہلو سے کسی دوسرے انقلاب کو انقلابِ محمدیؐ سے کوئی دُور کی نسبت بھی نہیں ہو سکتی! چنانچہ اس پہلو سے ہمارے اس دور کے برعظیم پاک و ہند کے ایک بہت بڑے انقلابی ایم این رائے نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں اپنی مشہور کتاب "Historical Role of Islam" میں اگر یہ کہا کہ محمد ﷺ بہت بڑے انقلابی رہنما تھے تو واقعہ یہ ہے کہ غلط نہیں کہا۔

دوسری طرف یہ پہلو بھی قابلِ توجہ ہے کہ دنیا کے تمام اہم انقلابات کا اگر مشاہدہ کیا جائے تو ایک بات قریباً ہر جگہ مشترک نظر آئے گی کہ انقلابی فکر تخلیق کرنے والے یا پیش کرنے والے کچھ اور لوگ تھے اور اس انقلاب کو عملاً برپا کرنے کا معاملہ کچھ اور لوگوں کے ہاتھوں ہوا۔ انقلابِ فرانس کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ والٹیئر' روسو اور ان جیسے نامعلوم کتنے اہلِ قلم تھے جنہوں نے وہ فکر دیا کہ جس کی بنیاد پر اس انقلابی عمل کا آغاز ہوا۔ لیکن یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ انقلابِ فرانس کے عملاً برپا ہونے اور اس کی عملی رہنمائی میں ان مفکرین کو کوئی دخل حاصل نہیں تھا۔ وہ انقلاب عملاً کچھ اوباش قسم کے لوگوں کی رہنمائی میں برپا ہوا اور واقعہ یہ ہے کہ وہ بڑا ہی خونی انقلاب تھا۔ اسی طرح کا معاملہ انقلابِ روس (Bolshevik Revolution) کا بھی تھا۔ اس انقلاب کے لئے انقلابی فکر دینے والا کارل مارکس جو جرمنی کا رہنے والا تھا' خود اپنی زندگی میں کسی ایک گاؤں میں بھی انقلاب برپا نہیں کر سکا۔ سوچئے' یہاں ایک بالکل ہی دور دراز کے ملک میں ایک فعال شخصیت لینن کے ہاتھوں وہ انقلاب برپا ہوا جس نے کارل مارکس کے دیئے

ہوئے فکر و فلسفہ کو دنیا میں ایک انقلاب کی عملی شکل میں ڈھالا۔ معلوم ہوا کہ انقلابی فکر دینے والے بالعموم کچھ اور لوگ ہوتے ہیں اور انقلاب برپا کرنے والے کوئی اور!

اس پس منظر میں دیکھئے تو نبی اکرم ﷺ کا معاملہ منفرد اور ممتاز نظر آتا ہے۔ ایک فردِ واحد سے دعوت کا آغاز ہوا اور کل تیئس برس میں یعنی ایک "life span" کے اندر اندر انقلاب کی تکمیل ہو گئی۔ بلکہ یہ تیئس برس بھی شمسی نہیں قمری ہیں۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو ہمارے حساب سے وہ بمشکل بائیس برس بنتے ہیں۔ کُل بائیس برس میں ایک شخص فردِ واحد کی حیثیت سے دعوت کا آغاز کرتا ہے اور پھر وہ دعوتی و انقلابی جدّوجُہد ان تمام مراحل کو طے کر کے جو کسی بھی انقلاب کو درپیش ہوتے ہیں، نہایت خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔ اس میں آپ ﷺ کو تمسخر و استہزاء کے ابتدائی مرحلے سے گزرنا پڑا، پھر وہ شدید تشدد (persecution) کا دور بھی آیا جس میں اہل ایمان پر وحشیانہ مظالم ڈھائے گئے، پھر وہ مرحلہ بھی آیا کہ وطن کو چھوڑنا پڑا، مکّے کی سرزمین کو خیرباد کہہ کر مدینہ منورہ کا رخ اختیار کرنا پڑا، پھر اقدام کا مرحلہ بھی آیا اور جہاد و قتال کے مراحل سے بھی گزرنا پڑا۔ اور اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے تمام مراحل سے گزر کر کُل تیئس برس کی مدّت میں وہ انقلاب اپنی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ جس کی طرف توجّہ دلانے کے لئے یہ ساری بات گوش گزار کی گئی، یہ نکلا کہ حضور ﷺ کی سیرتِ مطہّرہ میں اس انقلابی عمل کے مختلف مراحل بہت نمایاں ہو گئے۔ بلکہ آپؐ کے اس انقلابی عمل کا tempo اتنا شدید ہے اور وہ انسان کی توجّہ کو اس درجے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے کہ اس انقلابی عمل کی پشت پر کارفرما اساسی طریق کار بالعموم نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ وہ اساسی طریق کار یا منہجِ عمل اپنی جگہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اس انقلابی جِدّوجُہد، اس تصادم اور اس تمام تر جہاد و قتال کے لئے وہ افراد کس طور سے حاصل ہوئے کہ جن میں ہر ایک عزم و ہمت اور استقامت کی چٹان ثابت ہوا۔ ان افراد کے فکر و نظر میں انقلاب کیونکر برپا ہوا اور پھر ان کی تربیت کا معاملہ کس نہج پر ہوا! گویا غور طلب بات یہ ہے کہ اس انقلابی عمل کی تہہ میں کارفرما وہ کون سا عمل تھا کہ جس کے ذریعے انفرادی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا۔ جس طرح کسی پہاڑی ندی کا زور و شور

اور اس کی موجوں کا تلاطم انسان کو اس طرح اپنے اندر جذب کر لیتا ہے کہ اس کی گہرائی کی طرف توجہ نہیں ہوتی' اسی طرح نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا یہ پہلو یعنی انقلابی کشمکش اور اس میں تصادم کے مختلف مراحل کسی بھی سیرت کے سننے یا پڑھنے والے کو اس درجے اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں کہ اس جدّوجہد کے پس پشت کار فرما اساسی منہاج اور بنیادی طریق کار نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور ساری توجّہ اسی ایک پہلو پر مرتکز ہو جاتی ہے۔

انقلابِ نبوی ؐ کا اساسی منہاج

سورۃ الجمعہ میں درحقیقت نبی اکرم ﷺ کے اسی اساسی منہاج اور بنیادی طریق کار کو واضح کیا گیا ہے جس کے ذریعے وہ افراد تیار کئے گئے کہ جو اِس انقلابی جدّوجہد میں نبی اکرم ﷺ کے دست و بازو بنے اور جن کے اندر کا انقلاب بیرونی دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا پیش خیمہ بن گیا۔ اس مضمون کی اہمیت کو اکبر الٰہ آبادی کے ایک شعر کے حوالے سے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے' بڑا پیارا شعر ہے ؎

خدا کے کام دیکھو' بعد کیا ہے اور کیا پہلے!
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے!

کہ اگرچہ حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں غزوۂ بدر' غزوۂ اُحد' غزوۂ احزاب' صلح حدیبیہ اور فتح مکّہ بڑے اہم نشاناتِ راہ (land marks) شمار ہوتے ہیں لیکن اِس وقت ہماری گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ وہ بنیادی process اور طریق کار کون سا تھا کہ جس سے انقلاب کی داغ بیل پڑی' جس سے افراد کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا' وہ افراد کہ جنہوں نے اپنی سیرت و کردار سے یہ ثابت کر دیا کہ ان کا نقشہ وہ ہے جو سورۃ الاحزاب میں بایں طور آیا ہے کہ :

﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ ﴾

''اہلِ ایمان میں ایسے جوان مرد موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اسے سچا کر دکھایا۔''

﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ ﴾

"تو ان میں سے وہ بھی ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے (اور گردنیں کٹوا کر سبکدوش ہو چکے' سرخرو ہو چکے) اور باقی ابھی منتظر ہیں (کہ کب ہماری باری آئے اور ہم بھی سبکدوش ہو جائیں) اور انہوں نے اپنے رویّے میں کوئی تبدیلی نہیں کی"۔

وہ مردانِ کار کس process سے اور کس طور سے تیار ہوئے تھے' یہ ہے در حقیقت سورۃ جمعہ کا مرکزی مضمون۔

سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت

سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت (یعنی آیت نمبر۲) کے بارے میں پہلے یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اس میں جو چار اصطلاحات وارد ہوئی ہیں' ان کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں چار مقامات پر ان کا اعادہ کیا گیا ہے اور یہ ایک نہایت غیر معمولی بات ہے۔ سب سے پہلے سورۃ البقرۃ میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا میں وہ الفاظ آئے' پھر چند رکوعوں کے بعد اللہ کی طرف سے اس دعا کی قبولیت کے اعلان کے ذکر میں انہی الفاظ کا اعادہ ہوا' پھر سورۂ آل عمران میں اہلِ ایمان پر اللہ تعالیٰ کے اس احسان کے بیان میں کہ اللہ نے تم میں اپنا ایک رسول بھیج دیا ہے پھر انہی چار اصطلاحات کو دہرایا گیا اور پھر آخری مرتبہ یہ چاروں اصطلاحات یہاں سورۃ الجمعہ میں وارد ہوئی ہیں۔ اور یہاں تو یہ الفاظ یا یہ اصطلاحات گویا کہ اس پوری سورت کے لئے بمنزلہ عمود ہیں' یا یوں کہہ لیجئے کہ انہیں اس سورت کے مرکزی مضمون کی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے آیئے کہ اس سورۂ مبارکہ پر اور بالخصوص اس کی آیت نمبر۲ پر نگاہوں کو پورے طور پر مرتکز کر دیا جائے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ ﴾

دیکھئے! جس طرح سورۃ الصف کی مرکزی آیت کا آغاز ہوا تھا "هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ" کے الفاظ سے' اسی طرح سورۃ الجمعہ کی مرکزی آیت کا آغاز ہو رہا ہے ﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ کے الفاظِ مبارکہ سے۔ دونوں مقامات پر ایک ہی

اسلوب ہے اور نہایت ملتے جلتے الفاظ ہیں۔ ﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ "وہی اللہ ہے جس نے اٹھایا اُمیین میں ایک رسول انہی میں سے"۔ بعث کے معنی ہیں کسی چیز کا اٹھانا یا برپا کرنا۔ چنانچہ "بعث بعد الموت" کی اصطلاح موت کے بعد جی اٹھنے کے مفہوم میں استعمال ہوتی ہے۔ لفظ "اُمّیّٖن" پر ہم ان شاء اللہ بعد میں گفتگو کریں گے کہ یہ اس سورۂ مبارکہ کے اہم مضامین میں سے ہے۔ ابھی ذرا وقتی طور پر اس لفظ سے توجّہ کو ہٹاتے ہوئے آگے بڑھئے۔ اگلے الفاظ اس اعتبار سے نہایت اہم ہیں کہ ان میں رسولؐ کے طریق کار یا منہجِ عمل کا بیان ہے کہ وہ رسول جو اللہ نے مبعوث فرمایا ہے 'کیا کرتے ہوئے آیا ہے : ﴿ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ﴾ "تلاوت کرتا ہے ان لوگوں پر اس کی آیات (یعنی اللہ کی آیات)' اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب اور حکمت کی"۔ آیت کا آخری ٹکڑا حسب ذیل ہے : ﴿ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ "اور اگرچہ وہ اس سے قبل کھلی گمراہی میں تھے"۔

چار اہم اصطلاحات

یہ ہے وہ آیۂ مبارکہ جس کے بارے میں عرض کیا گیا ہے کہ یہ مضمون کے اعتبار سے اس سورۂ مبارکہ کی مرکزی آیت ہے۔ اس میں چار اصطلاحات وارد ہوئی ہیں : i) تلاوتِ آیات' ii) تزکیہ' iii) تعلیمِ کتاب' اور iv) تعلیمِ حکمت۔ ان چاروں پر آپ غور کریں گے تو پہلی بات نمایاں ہو کر آپ کے سامنے یہ آئے گی کہ ان چار میں سے کم از کم دو کے بارے میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں کہ ان سے مراد سوائے قرآن کے اور کچھ نہیں! ظاہر بات ہے کہ تلاوتِ آیات سے مراد قرآن مجید کی آیات ہی کا پڑھ کر سنانا ہے۔ اسی طرح تعلیم کتاب سے مراد بھی قرآن حکیم ہی کی تعلیم ہے۔ البتہ دو اصطلاحات وہ ہیں کہ جن کے بارے میں کچھ ظاہر بین لوگوں کو یہ اشتباہ لاحق ہو سکتا ہے کہ شاید ان سے کتاب اللہ کے سوا کوئی اور شے مراد ہے۔ چنانچہ عملِ تزکیہ کے بارے میں ایک گمان یہ ہو سکتا ہے کہ اس کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا اپنا علیٰحدہ تشخص ہے۔ اسی

طرح لفظ "حکمت" کے بارے میں بھی ہمارے ہاں ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا اور بعض بڑے بڑے ائمہ دین کی طرف سے، جن میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں، یہ خیال سامنے آیا ہے کہ اس سے مراد سنّتِ رسولؐ ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے تمام تر احترام کے باوصف یہاں ہمیں یہ غور کرنا ہوگا کہ ان چاروں اصطلاحات کا باہمی ربط و تعلق کیا ہے اور خود قرآن حکیم کے دوسرے مقامات سے ان کا کیا مفہوم متعین ہوتا ہے۔ جس طرح سورۃ العصر کے بارے میں عرض کیا گیا ہے کہ شرائطِ نجات کے بیان میں وہ چاروں چیزیں جو وہاں بیان ہوئی ہیں ان میں باہم بڑا گہرا معنوی ربط موجود ہے۔ ایمان حقیقی کا لازمی نتیجہ عمل صالح ہے۔ اور عمل صالح اگر پختگی کو پہنچے گا تو اس سے تواصی بالحقّ کے برگ و بار لازماً ظاہر ہو کر رہیں گے۔ اسی طرح اگر صحیح معنی میں حق کی دعوت دی جائے تو یقیناً صبر کا مرحلہ آکر رہے گا، تکالیف و مشکلات آئیں گی اور انہیں جھیلنا ہوگا۔ تو جس طرح سورۃ العصر کی ان چار اصطلاحات میں باہم گہرا ربط ہے، اسی طرح سورۃ الجمعہ کی متذکرہ بالا چار اصطلاحات بھی باہم مربوط ہیں۔

تزکیے کے بارے میں تفصیلی گفتگو تو بعد میں ہوگی، سرِدست اتنی بات نوٹ کر لیجئے کہ قرآن مجید مدّعی ہے کہ تزکیہ کا اصل ذریعہ وہ خود ہے۔ سورۂ یونس میں صاف الفاظ میں فرما دیا گیا : ﴿ یٰاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ﴾ یعنی "اے لوگو! تمہارے پاس آچکی ہے تمہارے رب کی طرف سے ایک موعظت، ایک نصیحت جو شفا ہے تمہارے سینوں کے امراض کے لئے"۔ یہ قرآن تمہارے تمام باطنی اور روحانی امراض کا مداوا بن کر نازل ہوا ہے۔ تزکیۂ نفس یا تزکیۂ باطن کا اصل ذریعہ خود قرآن ہے۔ اور جہاں تک "تعلیمِ حکمت" کا معاملہ ہے تو اس ضمن میں ہمارے اس منتخب نصاب میں سورۂ بنی اسرائیل میں وہ آیت وارد ہو چکی ہے جو اس حقیقت کو بے نقاب کرنے کے لئے کافی ہے کہ حکمت کا اصل سرچشمہ بھی خود قرآن ہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے : ﴿ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ﴾ "یہ ہے وہ چیز کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر وحی کی ہے آپ کے رب نے از قسمِ حکمت!" تو معلوم ہوا کہ یہ چاروں اصطلاحات یعنی تلاوتِ آیات، تزکیہ، تعلیمِ کتاب اور تعلیمِ حکمت درحقیقت قرآن مجید

ہی کے گرد گھوم رہی ہیں اور ان سب کا مرکز و محور قرآن مجید ہی ہے۔ گویا بالفاظِ دیگر محمدٌ رسول اللہ ﷺ کا آلۂ انقلاب یہی قرآن مجید ہے' جس کے بارے میں مولانا حالی نے بڑے پیارے انداز میں کہا تھا ؎

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

غور کیجئے' محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے افراد کی زندگیوں میں وہ عظیم انقلاب کیسے برپا فرمایا! ان کے فکر اور ان کے کردار میں جو ہمہ گیر تبدیلی آئی وہ کیونکر آئی؟ اس کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس تمام تبدیلی کی بنیاد اور اساس خود قرآن حکیم ہے۔ تو آیئے کہ ہم ان چار اصطلاحات پر اپنی توجہات کو مرکوز کریں!

تلاوتِ آیات

نبی کریم ﷺ کا پہلا کام یا آپ کے فرائض چہار گانہ میں سے پہلا فریضہ ہے تلاوتِ آیات' جس کے لئے یہاں الفاظ لائے گئے : ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ﴾ ـــــ "تَلَا' يَتْلُوْ" اگر بغیر کسی صلے کے آئے تو اس کے معنی خود پڑھنے کے ہوتے ہیں اور جب اس پر "علٰی" کا اضافہ ہو جائے' جیسے تَلَا عَلَيْهِ تو اس کے معنی ہوں گے کسی کو پڑھ کر سنانا۔ کارِ نبوّت یا کارِ رسالت کا سرِ آغاز یہی تلاوتِ آیات ہے۔ دعوت کا آغاز تلاوتِ آیات ہی سے ہوتا ہے۔

لفظ آیات پر اس سے قبل ہمارے ان اسباق میں گفتگو ہو چکی ہے۔ غور کیجئے کہ آیات یا نشانیوں کا حاصل کیا ہے! ہم پڑھ چکے ہیں کہ ان آیات سے اصل مقصود ذہن کو اللہ کی جانب متوجّہ کرنا ہے۔ اللہ کی یاد دلوں میں تازہ ہو جائے' اللہ کی معرفت اور اس پر ایمان قلوب میں اجاگر ہو جائے۔ یہی آیات ہیں کہ جو پھر انسان کو بعث بعد الموت کی طرف اور جزا و سزا کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ گویا ہر اعتبار سے اوّلین کام تلاوتِ آیات ہی بنتا ہے۔ قرآن مجید کی حکمتِ نزولی سے ہمیں اس کی مزید تائید ملتی ہے کہ قرآن مجید میں مکّی سورتوں میں جو آیات نازل ہوئی ہیں ان سب کا بنیادی موضوع ایک ہی ہے اور وہ

ہے توحید' کہ اصل مقصود یہ ہے کہ ایمان باللہ دلوں میں جاگزیں ہو جائے' ہستیٔ باری تعالیٰ کا یقین راسخ ہو جائے' اس کی صفاتِ کمال کا علم حاصل ہو جائے' اس کی توحید پر دل ٹھک جائے' جزا و سزا' بعث بعد الموت' حشر نشر اور جنّت و دوزخ پر ایک یقینِ محکم پیدا ہو جائے' نبوت و رسالت اور انزالِ وحی و کتب کے ضمن میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔ یہ ہے اصل اہمیت کی چیز' یہ ہے کارِ رسالت کا نقطۂ آغاز!

قرآن حکیم کی آیات نے آ کر لوگوں کے ذہنوں سے تمام ملحدانہ خیالات' مشرکانہ عقائد اور اس کائنات اور خود اپنے بارے میں انسان کے قائم کردہ تمام غلط نظریات کو دھو دیا اور صاف کر دیا۔ اس تطہیرِ ذہنی و فکری کا اصل ذریعہ ہے تلاوتِ آیات!

ایک فرد کے معاملے کو ذہن میں رکھ کر آپ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایک فرد میں اسلامی انقلاب آ جائے تو ظاہر بات ہے کہ آپ کو سب سے پہلے اس کی سوچ اور اس کے نقطۂ نظر کا جائزہ لینا ہو گا اور اس کے فکر کی اصلاح سے کام کا آغاز کرنا ہو گا۔ اگر آپ چھوٹتے ہی اسے کچھ شعائرِ اسلامی کا احترام کرنے یا نماز روزے کی تلقین کریں گے تو یہ ایک غیر حکیمانہ ترتیب ہو گی۔ آپ کو سب سے پہلے یہ جائزہ لینا ہو گا کہ اُس شخص کا فکر کیا ہے' اس کی سوچ کیا ہے' آیا وہ اس کائنات کو محض ایک حادثہ سمجھتا ہے اور اس کا یہ خیال ہے کہ یہ نظام از خود چل رہا ہے یا وہ مانتا ہے کہ اس کا کوئی خالق' مالک اور مدبّر بھی ہے!! اسی طرح یہ دیکھنا ہو گا کہ آیا وہ اسی دُنیوی زندگی کو کُل زندگی سمجھتا ہے یا حیاتِ بعد موت کا کوئی تصور اس کے ذہن میں موجود ہے! ـــــ اور آیا وہ صرف عقل اور حواس ہی کو اپنے لئے حصولِ علم کا ذریعہ اور ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ سمجھتا ہے یا یہ کہ وہ کسی ماوراءِ عقل یا ماوراءِ حواس ذریعۂ علم (source of knowledge) کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ ہے؟ اگر آپ کی اس انقلابی کوشش کا آغاز یہاں سے نہیں ہو گا تو سمجھ لیجئے کہ آپ کی کوششیں بار آور نہیں ہوں گی۔ اگر ذہن پر مادہ پرستی' الحاد اور مختلف مشرکانہ اوہام کا تسلّط ہے تو سب سے پہلے ان کی تطہیر لازم ٹھہرے گی۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جس ماحول میں وہ انقلاب برپا فرمایا اس میں

تلاوتِ آیات کے ذریعے لوگوں کی ذہنی اور فکری تطہیر کے عمل کو مقدم رکھا۔ مادّہ پرستی' الحاد اور مشرکانہ اوہام کے زہر سے قلوب واذہان کو پاک کر کے مثبت طور پر دلوں میں ایمان باللہ' ایمان بالآخرت اور ایمان بالوحی اور رسالت کی بنیادیں قائم کیں۔ یہ ہے درحقیقت انقلابِ محمد ﷺ کا نقطہ آغاز۔ یہاں سے بات آگے چلتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں آپ دیکھیں گے کہ دعوت و تبلیغ کے بارے میں جتنی اصطلاحات بھی وارد ہوئی ہیں ان سب کا مبنیٰ' ان سب کا مرکز اور محور قرآن مجید خود اپنے آپ کو قرار دیتا ہے۔ دعوت و تبلیغ کے ضمن میں "انذار و تبشیر" انبیاء کرام کا ایک بنیادی فریضہ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ انذار کے بارے میں فرمایا گیا : ﴿ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ ﴾ (الانعام : ۱۹) "مجھ پر یہ قرآن نازل کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اس کے ذریعے سے خبردار کردوں"۔ معلوم ہوا کہ انذار کا اصل ذریعہ خود قرآن حکیم ہے۔ اسی طرح تبشیر کے بارے میں فرمایا : ﴿ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا۝ ﴾ (مریم : ۹۷) "(اے نبیؐ!) ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان پر آسان کر دیا ہے' تاکہ آپ اسی کے ذریعے اہلِ تقویٰ کو بشارت دیجئے اور اسی کے ذریعے آپ انذار فرمایئے اور خبردار کیجئے جھگڑالو قوم کو"۔ گویا انذار ہو یا تبشیر دونوں کا ذریعہ اور مرکز و محور خود قرآن ہے۔

اسی طرح انبیاء کا ایک فریضہ "تذکیر" بھی ہے۔ یعنی یاد دہانی کرانا' نصیحت کرنا۔ سورۂ قٓ کی آخری آیت میں اس کے بارے میں فرمایا گیا : ﴿ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ ﴾ "تذکیر فرمایئے اس قرآن کے ذریعے سے ہر اُس شخص کو جو میری وعید سے ڈرتا ہو"۔ اسی طرح فرائض نبوت و رسالت کی تعبیر کے ضمن میں ایک اہم اصطلاح "تبلیغ" کی ہے۔ سورۃ المائدۃ میں ارشاد ہوتا ہے : ﴿ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ "(اے نبیؐ) پہنچا دیجئے' تبلیغ فرمایئے اُس کی جو نازل کیا گیا آپ پر آپ کے رب کی طرف سے"۔ الغرض دعوت و تبلیغ کے ضمن میں قرآن حکیم کی جو بھی بنیادی اصطلاحات ہیں مثلاً انذار و تبشیر اور تذکیر و تبلیغ' ان سب کا مرکز و محور خود قرآن ہے۔ چنانچہ سیرتِ مطہرہ میں بھی ہمیں نظر آتا ہے کہ آپؐ نے ہر جگہ قرآن ہی کو پیش کیا' اپنی بات کہنے اور اپنی تقریر کرنے سے حتیّ الامکان احتراز فرمایا۔ بعض لوگوں نے خطباتِ نبویؐ کو جمع کرنے

کی کوشش کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بہت ہی قلیل تعداد میں خطبات دستیاب ہو سکے ہیں۔ آپؐ کی گفتگو نہایت جامع اور مختصر ہوتی تھی اور جس جگہ بھی آپؐ دعوت پہنچانے کے لئے تشریف لے جاتے قرآنی آیات لوگوں کو پڑھ کر سناتے اور ان کے ذریعے انذار' تبشیر اور تذکیر فرمایا کرتے تھے کہ یہ ایک کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے۔ یہ ایک پیغام ہے جس کو لے کر میں آیا ہوں۔ اسی قرآن کے ذریعے سے آپؐ نے اپنی دعوت کا آغاز فرمایا۔ تو گویا انقلابِ محمدیؐ کا نقطۂ آغاز ہے تلاوتِ آیات اور اس کے ذریعے انذار و تبشیر' تذکیر و نصیحت اور دعوت و تبلیغ!

تزکیہ

﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ کے بعد اب آگے چلئے! ﴿ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ - یہ وہ مرحلہ ہے جس کے بارے میں بدقسمتی سے ہمارے ہاں سب سے زیادہ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور یہ خیال عام ہے کہ قرآن مجید نے شاید تزکیہ نفس کا کوئی طریقہ ہمیں عطا نہیں فرمایا! بلاشبہ یہ بہت بڑا سوئے ظن ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں کے طرزِ عمل سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس سوئے ظن میں مبتلا ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے تزکیۂ نفس کا کوئی طریقہ ہمیں عطا نہیں فرمایا۔ میں پھر عرض کروں گا کہ یہ بہت بڑا سوئے ظن ہے قرآن حکیم سے بھی اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے بھی۔

تزکیے کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس مرحلے پر اسے اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ نوٹ کیجئے کہ تزکیہ کرنا انسان کا مطلوب ہے اور انسان مجموعہ ہے دو چیزوں کا۔ ایک ہے اس کی فکر اور اس کی سوچ اور دوسری چیز ہے اس کا عمل اور اس کی روش یا اس کا وہ طرزِ عمل جو وہ زندگی میں اختیار کرتا ہے۔ کچھ انسان ایسے ہوتے ہیں جن کے فکر و عمل میں بُعد یا تضاد پایا جاتا ہے۔ ایسے شخص کو آپ ایک مریض شخصیت قرار دیتے ہیں' اسے نارمل انسان نہیں قرار دیا جاتا' ورنہ ایک نارمل انسان ایک ناقابلِ تقسیم اکائی (integrated whole) ہوتا ہے' اس کا عمل اور اس کا رویّہ درحقیقت اس کے نظریات' اس کے افکار' اس کی سوچ اور اس کی فکر پر مشتمل ہوتا ہے۔ اگر سوچ غلط ہے'

نقطہ نظر غلط ہے ' قلوب و اذہان پر اگر غلط نظریات و افکار کا تسلط ہے تو ظاہر بات ہے کہ عمل از خود غلط ہو جائے گا۔ عمل کو درست کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے سوچ کو درست کیجئے ' نقطہ نظر کی اصلاح کیجئے ' فکر کو صحیح بنیادوں پر استوار کیجئے ' اسے صحیح اساس پر reconstruct کیجئے اور تب توقع رکھئے کہ اس کا عمل درست ہو گا اور صحیح خطوط پر استوار ہو گا۔ قرآن مجید کا طریق تزکیہ یہ ہے۔ چنانچہ اس آیت میں تزکیے کا ذکر دراصل ﴿ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ ﴾ کے نتیجے کے طور پر آیا ہے کہ آیاتِ الٰہیہ کے ذریعے سے جب انسان کے فکر کی اصلاح ہو گئی ' اس کے نظریات درست ہو گئے ' الحاد و مشرکانہ اوہام کی جڑیں جب انسان کے ذہن اور اس کے قلب سے کٹ گئیں تو گویا اس طریقے سے غلط اعمال ' غلط کردار اور غلط عادات کی جڑ بھی کٹ گئی۔ اس لئے کہ ان کے لئے اب غذا مہیا نہیں ہو رہی۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ غلط اعمال بالکل اس طرح سے انسانی سیرت سے علیحدہ ہو جائیں گے جس طرح سے پت جھڑ کے موسم میں پتّے درختوں سے گر جاتے ہیں۔

بدقسمتی سے تزکیۂ نفس کے ضمن میں ہمارے صوفیاء نے جو مختلف طریقے اختیار کئے ہیں وہ طریقِ نبویؐ سے کچھ زیادہ مطابقت نہیں رکھتے۔ ہماری ایک بڑی بدقسمتی یہ بھی رہی ہے کہ دورِ صحابہؓ کے بعد ہمارے ہاں اس وحدتِ فکر و عمل میں بتدریج زوال آتا چلا گیا جو دورِ خلافتِ راشدہ کا طرۂ امتیاز تھی۔ کچھ لوگ قانون اور فقہ کے ماہر بن گئے اور کچھ نے تزکیۂ نفس کے میدان کو اختیار کر لیا۔ اس طریقے سے مختلف گوشوں میں یہ تمام امور بڑھتے چلے گئے اور ہر گوشہ اپنے ہی انداز میں ترقی کرتا اور پروان چڑھتا رہا۔ اس طرح وہ وحدت فکر و عمل جو قرآن مجید نے عطا کی تھی ' مجروح ہوئی۔ چنانچہ تزکیۂ نفس کے معاملے میں نہ معلوم کہاں سے یہ نظریات لئے گئے اور کہاں سے یہ نفسیاتی ریاضتیں اور مشقتیں اخذ کی گئیں کہ جن کے ذریعے سے تصفیۂ باطن ' تزکیۂ نفس اور تربیتِ روحانی کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں واقعہ یہ ہے کہ میں گہرے احساس کے ساتھ اور علیٰ وجہ البصیرت یہ عرض کر رہا ہوں کہ اس میدان میں طریق نبویؐ سے کچھ زیادہ ہی دوری ہوتی چلی گئی۔ نبی اکرم ﷺ کا طریقۂ تربیت اور اسلوبِ تزکیہ اس سے بہت مختلف تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے تزکیۂ نفس کے لئے جو طریقہ اختیار فرمایا تھا وہ یہی تھا کہ پہلے اس

قرآن کے ذریعے سے فکر کی تطہیر کی جائے‘ نقطۂ نظر اور سوچ کی اصلاح کی جائے‘ نتیجتاً غلط اعمال پت جھڑ کے پتوں کی طرح از خود جھڑ جائیں گے یا جیسے اس درخت کے پتے سوکھ کر جھڑ جاتے ہیں جس کی جڑ کاٹ دی گئی ہو۔ یہ ہے تزکیہ کا عمل اور جان لیجئے کہ قرآن مجید ہی در حقیقت اس عمل تزکیہ کا بھی محور ہے۔ ”تلاوتِ آیات“ کی طرح تزکیے کی اساس اور بنیاد بھی یہی قرآن ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اس معاملے میں جو طریقے اختیار کئے گئے ان میں بالعموم قرآن حکیم کو نظرانداز کر دیا گیا۔ علامہ اقبال نے اس تلخ حقیقت کی جانب اپنے ان اشعار میں بڑی خوبصورتی سے اشارہ کیا ہے :

صوفی پشمینہ پوشِ حال مست
از شراب نغمہ قوّال مست
آتش از شعر عراقی در دِلش
در نمی سازد بقرآن محفلش

کہ اس عمل تزکیہ کا سارا تعلق قرآن حکیم سے تو کٹتا چلا گیا اور صوفیوں کا حال بالعموم یہ ہو گیا کہ عراقی یا اس قبیل کے دیگر شعراء کے اشعار سے تو ان کے دلوں میں حرارت پیدا ہوتی ہے لیکن قرآن کو سن کر اُن کی آنکھیں پُرنم نہیں ہوتیں۔ اس لئے کہ تلاوتِ قرآن کے ذریعے سے اندرونی کثافتوں اور کدورتوں کی صفائی کرنے کا جو طریقہ تھا محمد رسول اللہ ﷺ کا‘ وہ متروک ہوتا چلا گیا اور تزکیہ کا عمل جو در حقیقت براہِ راست نتیجہ تھا ”یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ“ کا اسے اس کی اصل سے کاٹ دیا گیا۔ علامہ اقبال نے بعض حقائق کی تعبیر بڑی خوبصورتی سے کی ہے اور اس اعتبار سے میری گفتگو میں اُن کا بار بار حوالہ آ رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں :

کُشتنِ ابلیس کارے مشکل است
زاں کہ اُو گم اندر اعماقِ دل است

کہ ابلیس کو قتل کر دینا اور اس کو بالکل ختم کر دینا بڑا مشکل کام ہے‘ اس لئے کہ وہ تو لوگوں کے وجود کے اندر سرایت کر جاتا ہے‘ دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ یہ در حقیقت اس حدیثِ نبویؐ کا ترجمہ یا ترجمانی ہے کہ جس میں حضور ﷺ نے فرمایا :

((اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ))

”بے شک شیطان تو انسان کے وجود کے اندر اس طرح جاری و ساری ہو جاتا ہے جیسے (اس کی رگوں میں) خون دوڑتا ہے۔“

اس کے بعد علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی

اس شعر کے پہلے مصرعے میں بھی درحقیقت ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔ اس پر صحابہؓ میں سے واقعتاً کسی نے بڑی ہمت کر کے سوال کیا کہ حضور! کیا آپؐ کے ساتھ بھی شیطان ہے؟ آپؐ نے فرمایا : ہاں ہے، لیکن مَیں نے اسے مسلمان کر لیا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی حدیث کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے کہ ع

خوشتر آں باشد مسلمانش کنی

یعنی بہتر یہ ہے کہ تم اس شیطان کو مسلمان کر لو! لیکن اس کا طریقہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ ع

کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی!

اسے قرآن کی شمشیر سے قتل کرو۔ تمہارے اندر اگر غلط خیالات، غلط رجحانات، غلط جذبات اور غلط شہوات پیدا ہو رہی ہیں تو یہ درحقیقت تمہاری غلط سوچ و فکر اور تمہارے نقطۂ نظر کے کج ہو جانے کا نتیجہ ہے۔ یہ قرآن ایک ایسا ذریعہ ہے جو تمہاری سوچ کو صحیح کرے گا، تمہارے نقطۂ نظر کو درست کرے گا، اور تمہارے نظامِ اقدار (Value System) کو صحیح بنیادوں پر استوار کرے گا۔ یہ ہے وہ طریقہ کہ جس سے تمہاری شخصیت میں انقلاب آئے گا اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ غلط عادات اور غلط افکار کے دھبّے تمہاری شخصیت سے خودبخود دور ہوتے چلے جائیں گے اور باطن کے اس انقلاب کے بعد ہی تم اس قابل ہو سکو گے کہ خارج میں بھی انقلاب برپا کر سکو!

میں یہاں پھر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ کے اس انقلابی عمل میں قرآن حکیم کو جو اہمیت حاصل ہے اور جس کو بڑے ہی اجمال کے ساتھ مولانا حالی نے ان الفاظ

میں بیان کیا ہے کہ ؎

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

واقعہ یہ ہے کہ اس دور میں اس حقیقت کو علامہ اقبال مرحوم نے کماحقہٗ سمجھا ہے اور اس کا ادراک کیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی عظمت کا بیان جس طرح ہمیں ان کے ہاں ملتا ہے وہ اِس دور کے کسی اور شخص کے ہاں نہیں ملتا۔ اس ضمن میں ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے ؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن
آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ اُو لایزال است و قدیم
فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست اُو
زندہ و پائندہ و گویاست اُو
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

ان اشعار میں سے آخری شعر میں علامہ اقبال نے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ جب یہ قرآن کسی کے باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو اس کے اندر کی دنیا بدل جاتی ہے' اس کے اندر ایک عظیم انقلاب آ جاتا ہے' اس کی سوچ' اس کا فکر اور اس کے نظریات بدل جاتے ہیں' اس کی اقدار' اس کا نقطۂ نظر اور زاویۂ نگاہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب گویا کہ وہ مکمل طور پر ایک بدلا ہوا انسان ہے اور اس کے اندر سے جو یہ تبدیلی ابھری ہے' یہی درحقیقت صحیح طور پر خارج میں ایک تبدیلی برپا کرے گی اور اس طرح تمام غلط رویئے اور تمام غلط اعمال خود بخود ختم ہوتے چلے جائیں گے' کیونکہ اندر سے ان کو غذا دینے

والی جڑیں اب کاٹی جاچکی ہیں۔

تعلیمِ کتاب

تلاوتِ آیات اور تزکیۂ نفوس کے بعد تیسرا مرحلہ "تعلیمِ کتاب" کا ہے۔ چنانچہ آگے فرمایا :

﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ﴾

"اور وہ تعلیم دیتا ہے انہیں کتاب کی۔"

یہاں ایک بات نوٹ کرلینی چاہئے کہ جیسا کہ آغاز میں عرض کیا جاچکا ہے "تلاوتِ آیات" میں بھی پیشِ نظر قرآن ہے۔ لیکن یہاں پھر جو کتاب کا لفظ آیا ہے تو اس میں یقیناً قرآن مجید کا کوئی دوسرا پہلو پیشِ نظر ہے۔ اس طرح مختلف الفاظ سے قرآن مجید ہی کے مختلف گوشوں یا مختلف پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔ اس اصول کی روشنی میں غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید میں لفظ "کتاب" بالعموم قانون کے لئے آتا ہے، مثلاً کسی چیز کے وجوب اور فرضیت کا بیان "کُتِبَ" کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا گیا : ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ ﴾ "تم پر روزہ رکھنا فرض کردیا گیا" ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ﴾ "تم پر قتال فرض کردیا گیا"۔ ایسے ہی وصیت کے وجوب کے بارے میں جو ابتدائی حکم تھا اس کے الفاظ ہیں : ﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ...... ﴾ "تم پر واجب کردیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو اور اگر وہ کچھ مال چھوڑ کر جارہا ہو تو والدین اور رشتے داروں کے لئے وصیت کرجائے!" کہیں آتا ہے : ﴿ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ.... ﴾ "یہاں تک کہ قانون اپنی اصل مدت کو پہنچ جائے"۔ تو لفظ "کتاب" کا اطلاق اس کی پوری ہمہ گیریت کے ساتھ پورے قرآن مجید پر بھی ہوگا۔ لیکن جب قرآن کے مختلف پہلوؤں کے لئے مختلف الفاظ استعمال کئے جارہے ہوں تو "کتاب" سے مراد قوانین اور احکام ہوں گے۔ چنانچہ آیت زیرِ مطالعہ میں انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کی وضاحت کے لئے مختلف الفاظ آرہے ہیں۔ سب سے پہلے فرمایا : ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ اور یہاں

"تلاوتِ آیات" سے مراد لازمی طور پر قرآن حکیم ہی کی آیات کی تلاوت ہے۔ اس کے بعد ﴿ یُزَکِّیۡہِمۡ ﴾ کے الفاظ میں تزکیۂ نفوس کا ذکر کیا گیا جو اسی کا ایک منطقی نتیجہ ہے۔ پھر ﴿ یُعَلِّمُھُمُ الۡکِتٰبَ ﴾ میں جو لفظ "کتاب" دوبارہ آیا ہے تو واقعہ یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد احکامِ شریعت (DOs AND DON'Ts) ہیں، یعنی یہ کرو اور یہ نہ کرو! یہ حلال ہے اور یہ حرام!

احکامِ شریعت میں حکمتِ تدریج

حلال و حرام کے احکام دینے میں یہ تدریج اور ترتیب برقرار رکھی گئی ہے کہ انہیں قلوب و اذہان کو بدلے بغیر نافذ نہیں کیا گیا۔ جب ذہن و فکر کی تبدیلی عمل میں آچکی، دلوں کی دنیا میں ایمان جاگزیں اور راسخ ہو چکا اور بنیادی طور پر بُرے کردار اور بُرے اخلاق سے انسان کا دامن صاف ہو چکا تو اب یوں سمجھئے کہ گویا زمین میں ہل چل چکا ہے اور وہ بیج ڈالے جانے کے لئے پوری طرح تیار ہے۔ اب بیج ڈالیں گے تو وہ بیج بار آور ہو گا، نتیجہ خیز ہو گا۔ زمین کو تیار کئے بغیر بیج ڈال دیا جائے تو بیج ضائع ہو جائے گا۔ چنانچہ جب ﴿ یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ ﴾ کا عمل کیا جا چکا اور تزکیے کے بنیادی تقاضے پورے ہو چکے، تب کہا گیا کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو! اور اس وقت ہر حکم کو پوری خوش دلی کے ساتھ قبول کیا گیا۔ غور کیجئے کہ قرآن میں پہلے ہی حلال اور حرام کے احکام کیوں نہیں آگئے اور ان کا نزول اتنی دیر کے بعد کیوں ہوا؟ یا پورا قرآن یک دم کیوں نازل نہیں کر دیا گیا؟ اس کی وجہ یہی حکمتِ تدریج ہے۔ پہلے وہ آیات اور سورتیں اتریں جنہوں نے قلوب و اذہان کی دنیا میں ہل چلایا اور اس میں سے کثافتوں کو نکال کر باہر پھینک دیا، ایمان کی بنیادوں کو استوار کیا، نتیجتاً بنیادی انسانی اخلاق پروان چڑھے اور گندگیوں سے سیرتیں پاک ہو گئیں۔ اس طرح جب یہ زمین پوری طرح تیار ہو گئی تو اس میں بیج ڈالا گیا اور یہ بیج خوب بار آور ہوا۔ یہ ہے وہ حکمت اور تدریج کہ جو قرآن مجید نے اپنے نزول میں ملحوظ رکھی، یا صحیح تر الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ قرآن کے نازل کرنے والے نے اس کے نازل کرنے میں پیشِ نظر رکھی اور اسی حکمت اور اسی تدریج کے ساتھ محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے انقلاب برپا کیا۔

یہ اسی کا مظہر ہے کہ ذہنی و قلبی تربیت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو بھی حکم دیا گیا وہ انہوں نے بلا تأمل قبول کیا۔ انہیں جس چیز کے چھوڑنے کو کہا گیا وہ انہوں نے فوراً ترک کر دی۔ غور کیجئے کہ شراب جیسی چیز جسے طبّی دنیا میں بھی "habit making" مانا جاتا ہے اور جو انسان کے پورے جسمانی نظام کے ساتھ اس طرح وابستہ ہو جاتی ہے کہ پھر اس کا دفعتاً چھوڑ دینا نقصان دہ ہو سکتا ہے' جب اس کی حرمت کا حکم آتا ہے تو قرآن مجید اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا اعجاز دیکھئے کہ شراب کا جام اگر کسی کے ہونٹوں تک بھی پہنچا ہوا تھا تو اس کا ایک گھونٹ اس کے اندر نہیں گیا۔ شراب کی حرمت کے اعلان کے ساتھ ہی اس کے تمام برتن توڑ ڈالے گئے اور مدینے کی گلیوں میں شراب کی ندیاں بہہ نکلیں۔ حالانکہ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کی گھٹّی میں شراب تھی' جن کے ہاں شراب کا بالکل وہی تصور تھا جو آج آپ کو مغربی تہذیب میں نظر آتا ہے کہ پانی تو پانی ہے' لیکن پینے کی اصل شے شراب ہے۔ شراب ان کی تمدنی زندگی کا جزو لاینفک تھی' شراب پیتے ہوئے ان کی ساری ساری عمریں بیت گئی تھیں' شراب ان کی گھٹّی میں پڑی تھی' لیکن جب شراب کی حرمت کا حکم آ گیا تو انہوں نے اس کو کسی توقف کے بغیر چھوڑ دیا' اور اس شان کے ساتھ چھوڑا کہ پھر پلٹ کر اس کی طرف نہیں دیکھا۔ یہ درحقیقت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ ہے اور اس معجزے کی بنیاد یہی تدریج اور حکمت ہے۔

احکام کی تنفیذ سے پہلے ان کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا تھا۔ یہ یقین پیدا ہو چکا تھا کہ محمد (ﷺ) جو کچھ کہہ رہے ہیں اپنی طرف سے نہیں' اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ ﴾ انہیں اللہ کی ذات اور آخرت پر یہ پختہ یقین حاصل ہو چکا تھا کہ مرنے کے بعد اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے' جہاں تمام اعمال کی جوابدہی ہو گی اور یہ کہ اصل زندگی آخرت کی ابدی زندگی ہے۔ جب یہ یقین پیدا ہو چکا تو اب کسی لمبے چوڑے استدلال کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جب سود کی حرمت کا حکم آیا تو اس کے لئے کسی منطقی استدلال کی ضرورت نہیں پڑی۔ تجارت کے ساتھ اس کی ظاہری مشابہت کی بناء پر اگر یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ ﴿ اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ﴾ تو جواب صرف یہ دیا گیا : ﴿ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ کہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور

سُود کو حرام ٹھہرایا ہے۔ تو جو کوئی اللہ کو مانتا ہو اور یہ ایمان رکھتا ہو کہ محمد (ﷺ) یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے' اللہ کی طرف سے کہہ رہے ہیں' تو اب اس کے لئے چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں۔

اس کے برعکس امریکہ میں بڑے ٹھوس اعداد و شمار کی بنیاد پر شراب پر پابندی عائد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ شراب نوشی کے نقصانات گِنوائے گئے' بتایا گیا کہ ٹریفک کے حادثات اکثر و بیشتر شراب نوشی کی وجہ سے ہوتے ہیں' کئی بار ایسا ہو چکا ہے کہ کسی ذمّہ دار افسر کو شراب کے نشے میں مست کر کے جاسوس حسینائیں اس سے قومی اہمیت کے بڑے بڑے راز اگلوا کر لے گئیں۔ لیکن اس طرح کے متعدد حقائق بیان کرنے اور پورے اعداد و شمار مہیّا کرنے کے بعد بھی جب اس پر پابندی عائد کی گئی تو یہ سارے اعداد و شمار' یہ سارا فلسفہ اور سارے طبّی اور سائنسی حقائق دھرے کے دھرے رہ گئے اور ؏ "چُھٹتی نہیں ہے مُنہ سے یہ کافر لگی ہوئی" کے مصداق پابندی کا یہ حکم قبول نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حکم واپس لینا پڑا اور شراب کی حلّت کو پھر سے تسلیم کرنا پڑا۔ لیکن محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا اس کے process میں ہمیں ایک تدریج نظر آتی ہے۔ چنانچہ پہلے کتابِ الٰہی کی تلاوت آیات اور پھر اسی کے ذریعے سے تزکیۂ نفوس کے بعد تعلیم کتاب یعنی احکامِ شریعت کی تعلیم اور تنفیذ کا مرحلہ آتا ہے۔ اس مرحلے پر اب اوامر و نواہی' حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی پوری فہرست دے دی گئی اور اس کی تنفیذ بھی ہو گئی۔

تعلیم حکمت

انقلابِ نبویؐ کے اساسی منہاج کا آخری مرحلہ "تعلیمِ حکمت" کا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا: ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ "حکمت" کا لفظ اس سے پہلے سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع کے ضمن میں آیا تھا: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ﴾ اُس مقام پر لفظ "حکمت" پر گفتگو کی گئی تھی اور عرض کیا گیا تھا کہ عربی میں "ح ک م" کا مادہ بنیادی طور پر کسی شے کی پختگی اور استحکام کے لئے آتا ہے۔ حکمتِ انسانی عقل اور شعور کی پختگی

ہے۔ انسان کے اندر غور و فکر کی جو استعداد ہے اس کا پختہ (mature) ہو جانا اور اس میں اصابت رائے کی صلاحیت کا پیدا ہو جانا حکمت ہے اور یہ انسان کی صلاحیتوں میں بلند ترین چیز ہے۔ عام تعلیمی نظام میں بھی تربیتِ انسانی کے نقطہ نظر سے یہ تدریج ملحوظ رکھی جاتی ہے کہ کسی بچے کو آپ پہلے تاریخ کے واقعات کا مطالعہ کروائیں گے اور اس کو یاد کروائیں گے کہ فلاں فلاں واقعات کب اور کیسے ہوئے۔ اس کے بعد پھر ایک مرحلہ "فلسفۂ تاریخ" کا آتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ فلاں قوم کو شکست کیوں ہوئی' فلاں تہذیب کو عروج کیوں حاصل ہوا اور فلاں تمدن زوال پذیر کیوں ہوا؟ وغیرہ۔ اسی طرح آپ جغرافیہ میں پہلے یہ پڑھائیں گے کہ فلاں ملک کی آب و ہوا کیا ہے' وہاں کی زرعی پیداوار کیا ہے اور وہاں کون کون سے معدنی ذخائر پائے جاتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد پھر طبیعی جغرافیہ (Physical Geography) میں یہ مرحلہ بھی آتا ہے کہ یہ تغیّر و تبدّل کیوں ہے؟ یہ موسم اس طرح کیوں بدلتے ہیں؟ فلاں جگہ یہ چیز کیوں پیدا ہو رہی ہے؟ اور فلاں خطے میں یہ معدنیات کیوں پائی جاتی ہیں؟ تو درحقیقت یہ "کیوں اور کیسے؟" ہر گوشۂ علم میں چوٹی کی چیز ہے۔ اسی طریقے سے دین کا معاملہ ہے۔ انسانی ذہن اور شعور تربیت پا کر وہ پختگی حاصل کر لیں کہ انسان دین کے "کیوں اور کیسے" کو سمجھ سکے تو یہ "حکمت" ہے۔ فاتح دورِ حاضر امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب "حُجَّةُ اللّٰهِ البالِغة" کا موضوع یہی حکمت دین ہے کہ احکامِ شریعت میں کیا حکمتیں ہیں' ان کے کیا مقاصد ہیں۔

دین پر عمل کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ ہر مسلمان کو شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی کرنی ہے۔ "سمع و طاعت" اس کے ایمان کا تقاضا ہے۔

Theirs not to reason why?
Theirs but to do die!

لیکن اس سے بلند تر سطح یہ ہے کہ وہ بصیرت باطنی اور enlightment پیدا ہو جائے کہ جس سے نظر آنے لگے کہ یہ حکم کیوں دیا جا رہا ہے' اس کی حکمتیں کیا ہیں' اس کی غرض کیا ہے' اس کی علت کیا ہے' اس کی مصلحتیں کیا ہیں! انسان کے اپنے مفاد میں اور نظامِ اجتماعی

کے اپنے مصالح کے اعتبار سے دین کے ان احکام کی کیا اہمیت اور کیا مقام و مرتبہ ہے!! اس مرحلے پر پہنچ کر حکم بوجھ محسوس نہیں ہوتا بلکہ ایک نعمت معلوم ہونے لگتا ہے۔ تب شریعت کے اوامر و نواہی طبیعت کے لئے کسی ناگوار کیفیت کے حامل نہیں رہ جاتے' بلکہ ان کے اندر اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان ہونے کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں شریعت کو نعمت سے تعبیر فرمایا گیا ہے : ﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ . . . . . ﴾ یعنی یہ اللہ کا انعام ہے کہ اُس نے تمہیں تمام پیچیدہ اور پُر پیچ راہوں میں ایک درمیانی راہ "صراطِ مستقیم" عطا فرمادی اور ایک متوازن اور معتدل نظام تمہیں عطا فرمایا۔ یہ سراسر انعامِ خداوندی ہے' اور اس نعمت کا اتمام ہوا ہے محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر۔ سورۃ البقرہ میں اس "حکمت" کے بارے میں فرمایا گیا : ﴿ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ﴾ کہ جس کو حکمت عطا کر دی گئی اسے تو خیرِ کثیر سے نواز دیا گیا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ حکمت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی دولت ہے اور اللہ کا اُس شخص پر بہت ہی بڑا احسان ہے جسے اُس نے حکمت سے نوازا ہو۔ علامہ اقبال نے اسے "اسرارِ دین" سے تعبیر کیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

اے کہ می نازی بہ قرآنِ حکیم
تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم
در جہاں اسرارِ دیں را فاش کُن!
نکتۂ شرعِ مبیں را فاش کُن!

تو حکمتِ دین کی تعلیم اور اس کا عام کیا جانا انقلابِ نبوی کے اساسی منہاج میں چوٹی کا معاملہ ہے۔ گویا یہ اس کا مرتبۂ کمال اور نقطۂ عروج ہے۔

فرد اور معاشرے میں انقلاب کا لائحہ عمل

اب آپ ان چاروں اصطلاحات کو ایک مرتبہ پھر اپنے ذہن کے سامنے لائیے : (۱) یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ (۲) وَیُزَکِّیْھِمْ (۳) وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ (۴) وَالْحِکْمَۃَ ـــــ اور دیکھئے کہ انقلاب کے عمل میں ان کو بتدریج کیسے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ کا کوئی عزیز، کوئی نوجوان ہے جو آپ کو محبوب ہے اور آپ پورے خلوص کے ساتھ چاہتے ہیں کہ وہ دین کی طرف آئے، یا یوں تعبیر کیجئے کہ اس میں دینی انقلاب برپا ہو جائے۔ اس کی کچھ عادات اور دلچسپیاں ایسی ہیں کہ جو آپ کی نظر میں کھٹکتی ہیں، اس کے صبح و شام کا رنگ کچھ بدل گیا ہے۔ آپ اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس کے فکر اور ذہن کا جائزہ لیجئے کہ کہیں اس کے ذہن میں کوئی "برٹرینڈ رسل" تو نہیں ہے، وہاں کوئی "ساخت" اور اس کا فلسفہ موجودیت تو مسلط نہیں ہے، کہیں کسی "فرائیڈ" کے نظریات نے تو اس پر تسلط حاصل نہیں کر لیا، کہیں کسی اور کا نظریہ تو نہیں ہے کہ جو اس کے ذہن اور دل پر مستولی ہو گیا ہو۔ اگر آپ یہ تجزیہ نہیں کر سکتے اور اس کا مداوا نہیں کر سکتے، آیاتِ قرآنیہ کے ذریعے سے اس کے دل میں نورِ ایمان، اللہ کا یقین، آخرت کا یقین، جنت و دوزخ کا یقین اور وحی و رسالت کا یقین پیدا نہیں کر سکتے، تو جان لیجئے کہ آپ کی وہ ساری خواہش دھری رہ جائے گی اور اس کے اندر کوئی تبدیلی برپا نہ ہو سکے گی۔ وہ اگر سعادت مند ہے تو آپ کے سامنے چپ ہو جائے گا، گردن جھکا دے گا۔ ہو سکتا ہے آپ کے دباؤ کے تحت، جہاں آپ کے سامنے ہو، نماز بھی پڑھ لے، لیکن اس کی فکر کچھ اور ہے، اس کی سوچ کچھ اور ہے ؎

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الاّ اللہ!

اس کی فکر اور اس کی سوچ پر تو کچھ اور چیزوں کا تسلّط ہو چکا ہے، جن میں کہیں نماز یا روزے کی گنجائش ہی نہیں۔

اوامر و نواہی اور حلال و حرام کی بنیاد یہ ہے کہ کوئی صاحبِ ایمان ہو، وہ وحی و رسالت اور کتاب کو مانتا ہو، اگر وہ بنیاد ہی موجود نہ ہو تو کیا حلال اور کیا حرام؟ اس کے ذہن میں کس چیز کے بارے میں فرض کا تصور قائم ہو گا اور کس چیز کو وہ ممنوع اور حرام سمجھے گا؟ یہ ساری چیزیں اس وقت تک بے بنیاد ہیں جب تک ایمان دل کے اندر پیدا نہ کیا جائے۔ یہی ایک واحد راہِ عمل ہے کسی شخص کو بدلنے کی۔ اور یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ اس سارے عمل کا مرکز و محور قرآن حکیم ہے۔ اگر "تلاوتِ آیات" کے ذریعے

اس میں ذہن و فکر کی تبدیلی آتی ہے تو اس کی بُری عادتیں خود بخود بدل جائیں گی اور سب بُری لتوں سے وہ خود بخود آزاد ہوتا چلا جائے گا اور اب آپ کو ایک ایک چیز کے لئے علیحدہ علیحدہ دردِ سر مول لینے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ جب وہ جڑیں کٹ جائیں گی جن سے ان عاداتِ فاسدہ کے پتوں کو فاسد غذا بہم پہنچ رہی تھی تو وہ خود بخود خشک ہو کر گر پڑیں گے۔ اب وہ وقت آئے گا کہ آپ اسے بتائیں کہ یہ ہے دین کا حکم' اور وہ اس پر عمل پیرا ہو جائے گا۔ اور یہ عمل مصنوعی نہیں ہو گا' بلکہ فطری ہو گا۔ اس کے بعد اگر اس میں استعداد ہے تو اسے مرتبۂ حکمت تک پہنچایئے۔ یہاں پہنچ کر اس کی شخصیت کو دین کے بارے میں ٹھہراؤ' تمکن اور دوام حاصل ہو گا۔ اس کے کیا ہی کہنے ہیں! ظاہر بات ہے کہ حکمت کا یہ مقام کچھ نرالا ہی مقام ہے۔ یہاں انسان گویا کہ اپنی بصیرتِ باطنی سے دیکھ رہا ہوتا ہے کہ حق یہی ہے۔ یہ اس کا ذاتی تجربہ بن جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ دین میں کیا مقدم ہے' کیا موَخر ہے۔ کس چیز کی حیثیت جڑ کی ہے اور کس کی فرع کی۔ اب وہ اندھے کی طرح ٹامک ٹوئیے نہیں مار رہا ہوتا' بلکہ وہ دین کی تمام اقدار کو ان کے صحیح مقام پر صحیح توازن و اعتدال کے ساتھ برقرار رکھتا ہے۔ یہ ہے مرتبۂ حکمت' کہ جس کو عطا ہو گیا اسے خیرِ کثیر عطا ہو گئی۔

اب یہاں ایک بات اور سمجھ لیجئے تو یہ مضمون مکمل ہو جائے گا۔ جس طرح کا معاملہ ایک فردِ نوعِ بشر کا ہے بالکل اسی طرح ایک قوم یا اجتماعیت کے تحت زندگی بسر کرنے والے ایک مجموعۂ افراد کا ہے۔ ایک ہیئتِ اجتماعیہ سے منسلک ہونے والے افراد بھی مجموعی طور پر ایک فرد (individual) ہی کی طرح کا رویّہ رکھتے ہیں۔ اور جس طرح ایک فرد کے وجود میں دماغ قوّتِ فیصلہ کا حامل ہوتا ہے اور پورے وجود پر اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح ایک ہیئتِ اجتماعیہ میں ایک "ذہین اقلیت" اس پورے مجموعۂ افراد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ دماغ میں پکڑنے کی طاقت نہیں ہے' یہ طاقت ہاتھ میں ہے' لیکن پکڑنے کا حکم اسے دماغ سے ملتا ہے۔ ہاتھ کیا پکڑے اور کیا نہ پکڑے' اس کا فیصلہ بھی دماغ کرتا ہے۔ اسی طرح پاؤں چل سکتے ہیں' لیکن چلیں نہ چلیں' اور اگر چلیں تو کدھر جائیں کدھر نہ جائیں' اس کا فیصلہ دماغ کرے گا۔ نوعِ انسانی کے ایک فرد میں ہاتھ پاؤں

اور دیگر اعضاء و جوارح ہیں، لیکن ان سب کو دماغ کنٹرول کر رہا ہوتا ہے۔ گویا کہ انسان کے دو ڈھائی من کے وجود میں پاؤ ڈیڑھ پاؤ کے دماغ کو ایک حکمران کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ بالکل اسی طریقے سے جان لیجئے کہ کسی قوم، کسی معاشرے، کسی سوسائٹی، کسی کمیونٹی یا کسی ہیئتِ اجتماعیہ میں جو ایک ذہین اقلیت (intellectual minority) یا intelligentsia ہوتی ہے، جسے آپ brain trust سے تعبیر کر سکتے ہیں، اس پوری ہیئتِ اجتماعیہ کو کنٹرول کر رہا ہوتا ہے۔ اس طبقہ کے لوگ اگرچہ تعداد میں بہت کم ہوتے ہیں، لیکن یہ لوگ اپنے معاشرے، اپنی قوم اور اپنے ملک میں بالکل اسی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کہ جو اہمیت ایک فردِ بشر میں اس کے اپنے دماغ کو حاصل ہے۔ یہ سوچتے ہیں اور معاشرے کے رخ کا تعیّن کرتے ہیں۔ باقی عوام الناس اعضاء و جوارح کی مانند ہیں۔ جدھر یہ رخ کرلیں گے پورا معاشرہ اُدھر رخ کرلے گا، بالکل اسی طرح جیسے دماغ کے فیصلے کے تحت پاؤں چلتے اور ہاتھ حرکت کرتے ہیں۔

آپ کسی بھی معاشرے میں تبدیلی برپا کرنا چاہتے ہیں، کسی قوم یا ہیئتِ اجتماعیہ کو اسلام کے حق میں بدلنا چاہتے ہیں یا یوں کہئے کہ کسی جگہ پر بھی آپ اسلامی انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے نبی اکرم ﷺ کے طریق انقلاب پر اساسی منہاج یہی ہوگا کہ پہلے اس ذہین اقلیت کو تبدیل کیجئے۔ اگر اس کو آپ اسلام کے حق میں convert کرلیں اور اس میں ایمان و یقین کی روشنی پیدا ہو جائے تو اس طرح اس حلقے اور طبقے میں ایک ایسا مضبوط نیوکلیئس پیدا ہو جائے گا جس نے دین کی بنیادی اقدار کو علیٰ وجہ البصیرت قبول کیا ہوگا، نہ کہ محض اعتقادی طور پر صرف ایک "dogma" کی حیثیت سے۔ چنانچہ اس ذہین اقلیت اور brain trust کے تبدیلی قبول کرنے سے مجموعی طور پر پورا معاشرہ تبدیلی قبول کرلے گا۔ ورنہ آپ عوام میں وعظ و نصیحت کرتے رہئے تو اگرچہ اس سے عوام الناس کے اندر ایک رجوعِ عام بھی ہو جائے، تبدیلی برپا نہیں ہوگی۔

اس بات کو سمجھنے کے لئے اس چھوٹی سی مثال پر غور کرلیجئے کہ ہمارے ہاں کسی زمانے میں ترقی پسند ادیبوں نے بعض اصطلاحات کا استعمال شروع کیا اور آج وہ اصطلاحات ہمارے معاشرے کے نچلے طبقات تک پہنچ گئی ہیں۔ "استحصال" جیسا بھاری

بھر کم لفظ آج کسی تانگے بان اور کسی ریڑھی چلانے والے کی زبان پر آپ کے سننے میں آئے گا' اس لئے کہ یہ عمل ان لوگوں سے چلا تھا جو اس ملک کے اندر غور و فکر کرنے والے اور سوچ بچار کرنے والے لوگ تھے۔ اس "ذہین اقلیت" نے ایک فلسفے کو قبول کیا تھا اور پھر وہ فلسفہ اس معاشرے کے اندر سرایت کرتا چلا گیا۔ آپ کسی پارٹی کو تو ban کر سکتے ہیں' لیکن فکر پر کوئی قدغنیں عائد نہیں کی جا سکتیں' فکر کے لئے کسی پاسپورٹ اور ویزا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ خود بخود پھیلتا ہے اور کسی ملک یا کسی معاشرے میں اس کو قید و بند میں ڈالنا ممکن نہیں ہے۔ اس وقت کی دنیا میں جبکہ فاصلے معدوم ہو گئے ہیں آپ کسی ملک یا خطۂ زمین کو محفوظ خِطّہ بنا کر نہیں رکھ سکتے کہ یہ فکر وہاں نہ آنے پائے۔ اصل معاملہ فکر ہی کا ہے۔ اگر فکر بدلے گا' سوچ بدلے گی' تو انسان بدلے گا۔ انسان کی انفرادی تبدیلی کے لئے بھی فکر کی تبدیلی لازمی ہے اور کسی معاشرے میں انقلاب برپا کرنے کے لئے بھی فکر کی تبدیلی ناگزیر ہے۔ اسلامی انقلاب کے لئے فکری بنیاد بھی قرآن حکیم سے مہیّا ہوتی ہے اور اس کا پورا اساسی منہاج بھی قرآن حکیم ہی پر مبنی ہے۔ ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ﴾

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

اس ضمن میں بعض لوگوں کو مغالطہ اور اشتباہ لاحق ہو سکتا ہے کہ کیا اتنا عظیم انقلاب اور اتنی بڑی تبدیلی صرف ایک کتاب کے بل پر پیدا ہو جائے گی؟ میں انہیں دعوت دوں گا کہ ذرا نگاہ دوڑایئے' اس وقت اشتراکی نظام روئے ارضی کے کتنے بڑے حصّے پر قائم ہے۔ پورے مشرقی یورپ' پورے شمالی ایشیا' بلکہ چین سمیت ایشیا کے اکثر و بیشتر حصّے کے علاوہ دنیا کے کئی دور دراز ممالک میں یہ جو نظام قائم ہے اس کا سراغ لگایئے کہ یہ کس کا نتیجہ ہے؟ یہ سب کارل مارکس کی کتاب داس کیپٹل (Das Capital) اور اس کے فلسفے کا اثر ہے کہ ذہنوں نے جس کو قبول کیا اور ان پر اس کی چھاپ قائم ہوئی۔ اور یہ انقلابات درحقیقت اسی کی بنیاد پر آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے مارکس کے بارے میں کہا تھا ؏

"نیست پیغمبر ولیکن دربغل دارد کتاب"

اس کی بغل میں "کتاب" تھی' اور یہ بات کسی کو پسند ہو یا ناپسند ہو' کوئی اسے غلط سمجھے یا صحیح' لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ یہ سارے انقلابات درحقیقت اسی کتاب کا ایک ظہور اور اسی کتاب کا ایک بروز ہیں۔ تو ذرا سوچئے کہ ایک انسان کی کاوش' اس کی تصنیف کردہ ایک کتاب اگر دنیا میں اتنے وسیع و عریض پیمانے پر اتنے وسیع و عریض خطے میں انقلاب برپا کر سکتی ہے تو کیا کتاب اللہ دنیا میں انقلاب برپا نہیں کر سکتی؟ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کتاب کی طرف approach درست ہو' اس کتاب کو اس کا صحیح مقام دیا گیا ہو' اس کتاب سے واقعتاً وہ کام لیا جائے کہ جس کے لئے وہ نازل کی گئی ہے' جس کے لئے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی شان میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ جس کے ذریعے سے افراد بدلے' ان کے اندر انقلاب آیا اور پھر انہوں نے ساری انقلابی جدّوجُہد سے گزر کر انقلابِ محمد ﷺ کی عملی تکمیل فرما دی۔

فَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ورضي الله عنهم ورضوا عنه
وآخر دعوانا ان الحمد لله ربِّ العالمين ○○

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک فکر انگیز خطاب

عظمت قرآن

بزبان قرآن وصاحبِ قرآن

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور' ۵۴۷۰۰۔ فون : ۳۔۵۸۶۹۵۰۱